مجاہد جلیل حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ
(سیاسی جدوجہد کے آئینے میں)

از: ڈاکٹر رشید الوحیدی قاسمی

تمہید:

اللہ کے مخلص بندے جب خانقاہوں میں ذکر وفکر، دعا وتسبیح میں مشغول ہوتے ہیں تو اُن کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور جب بڑی بڑی تنخواہوں، اعلیٰ عہدوں کو ٹھکرا کر صبر وقناعت کے ساتھ قرآن وحدیث کا مطالعہ وتدریس اور پُرسکون ماحول میں علم دین کی خدمت کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ کی رضا کا حصول ہی اُن کے پیشِ نظر ہوتا ہے، پھر اچانک ایک ایسا موقع آتا ہے جب وقت کا ظالم پنجہ اللہ کے مظلوم بندوں کی گردنوں کے چاروں طرف اپنا شکنجہ کسنے لگتا ہے اور پھر حالات تقاضا کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کی گلوخلاصی اور ان کی مدد کی جائے، ایسے نازک حالات میں اللہ کے یہ مخلص اور باشعور بندے اب اللہ کی رضا اس میں دیکھتے ہیں کہ خانقاہ کا گوشۂ عافیت لذّتِ سحر گاہی اور درسِ حدیث کا محبوب وپاکیزہ مشغلہ سب کچھ یک قلم چھوڑ کر سر بکف شمشیر بدست اور کفن بردوش میدانِ کارزار میں نکل کھڑے ہوں کہ اب اللہ کی سب سے بڑی عبادت، رضاء الٰہی کے حصول کا سب سے قریبی اور یقینی راستہ یہی یعنی اللہ کے بندوں کی مدد اور اُن کی دست گیری ہے، اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی اب اسی میں ہے:

> ''دین کی خدمت کا یہی مطلب نہیں ہے کہ آپ لوگ مدرسہ وخانقاہ میں گوشہ گیر ہوکر کتاب ہی تک منحصر رہیں، مسلمانوں کی اور ملک کی اقتصادی، معاشی نیز سیاسی ترقی بھی دینی فرائض میں شامل ہے''۔ (مولانا حسین احمد مدنی مکتوبات جلد اول، ص ۲۱)

ہندوستان میں انیسویں بیسویں صدی کے دوران شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شروع ہوکر شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے نفسِ گرم سے ہوتی ہوئی یہی مجاہدانہ اسپرٹ اور یہی روش

اکابرِ دیوبند کے قائد سالاروں کی جماعت مہاجر مکی حضرت حاجی امداداللہؒ، مولانا محمد قاسمؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، پیر جی ضامن شہیدؒ کے سینوں میں پیوست ہوگئی تھی اور پھر رہبرانِ اُمت کے اِن سپہ سالاروں نے علَم جہاد کی یہ امانت اپنے علمی، روحانی اور سیاسی وارث مولانا (شیخ الہند) محمود حسنؒ کو سونپ دی اور پھر شیخ الہند نے اس نصیحت اور وصیت کے ساتھ کہ:

''جب تک فتح کامل نصیب نہ ہوجائے اور ہندوستان آزاد نہ ہوجائے ۱۸۵۷ء کا علم جہاد سرنگوں نہ ہونے پائے اور جنگ آزادی پورے حوصلے، ہوشمندی اور جاں نثاری کے ساتھ جاری رہے۔''

اپنے عزیز شاگرد مولانا حسین احمدؒ کو یہ امانت سونپ دی، مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اس اِرادے، عزم اور نیت کے ساتھ اپنے محبوب استاذ، علم و جہاد کے مُربّی کی امانت کو سنبھالا کہ ''یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید'' بہر حال اکابر کی اِس مُہم کو کامیابی تک پہنچانا ہے، اور پھر دنیا نے دیکھا اور بھارت کی جنگ آزادی کی تاریخ نے اِس کو اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا کہ حضرت مدنیؒ نے شیخ سعدی سے مستعار لے کر ایک سرمدی اعلان فرمایا۔

آں نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پُشتِ من
آں منم کہ درمیانِ خاک وخوں بینی سَرے

اور جنگ آزادی کی سنگلاخ وادی میں اتر گئے اور اس شان سے اترے کہ جب ہر قسم کی قربانیوں کے بعد اِس وادی کو طے کرکے ساحل مراد پر کامیابی کے ساتھ قدم رکھا تو جریدۂ عالم پر اپنے عہد کے اس عالم عارف اور مجاہد کا نام چمک رہا تھا اور بھلا کیوں نہ ہوتا حضرت تو:

''ہندوستان کی جہادِ آزادی میں موت کو شہادت کا درجہ دیتے اور قرآن سے اپنے اس دعوے کو ثابت فرماتے تھے'' (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مصنفہ مولانا فرید الوحیدی، ص ۳۶۷)

جس قدر شدت عزم و ہمت کے ساتھ مولانا پورے ملک میں دورے کرکے برطانیہ کے خلاف فضا بنا رہے تھے، ہندوستانیوں کے ذہن میں حکومت کے خلاف نفرت اور قربانی کا جذبہ ابھار رہے تھے، حکومت اُسی قدر اُن پر ظلم وسزا کے تیر برسا رہی تھی؛ چنانچہ جس قسم کی خوفناک سزائیں آپ جھیل رہے تھے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انگریزی حکومت جو رعایتیں دے کر آپ کو راضی کرنا چاہتی تھی، مولانا اس کو قبول کرلیتے اور بہت سے مشائخ، شیخ الاسلام، اساتذہ، علامہ، حکیم الامت کی طرح مدارس، مکاتیب، خانقاہوں کے عافیت خانے میں آرام فرماتے؛ مگر نہیں!

سکھ وچین کی زندگی، دنیاوی راحتوں کوقربان کردینے اور ہرلمحہ آزمائشوں اورصبرآزما مشکلات کے باوجود آپ اورآپ کی سرکردگی میں آپ کی جماعت، جمعیۃ العلماء بلاکسی شرط کے مکمل آزادی سے کم پرکسی طرح راضی نہ تھے۔اس سلسلے میں ابھی کانگریس گفت وشنید اورپس وپیش کے مرحلے میں تھی، حکومت سے رعایتوں اور مطالبات میں مصروف تھی، آزادیِ کامل اورسوراج کا اُس کے یہاں کوئی تصور بھی نہ تھا کہ ۱۹۲۶ء کلکتے کے اپنے اجلاس میں جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے مولانا مدنی نے آزادئ کامل کااعلان کردیا اور اس سے بھی پہلے جمعیۃ ہی کے ایک فرزندمولانا حسرت موہانی نے ۱۹۲۱ء میں احمدآباد کانگریس کے اجلاس میں آزادی کامل کی تجویز پیش کردی تھی۔ (حسرت موہانی شیخ الہند کی جماعت کے ایک رکن بھی تھے اور جمعیۃ مجلس عاملہ کے ممبر بھی)۔

حضرت کے جدوجہد آزادی کی رُوداد بہت تفصیل طلب ہے، کئی جلدوں میں بھی یہ تاریخ ختم ہونے والی نہیں ہے، ہم مختصرطور پر برطانیہ عہد کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ کریں تو سامنے آتا ہے ۴۷-۱۹۴۶ء میں لارڈ پیتھک اوردوسرے دوافسروں کی سہ نفری کمیٹی کی ہندوستان میں آمد مایہ مشن ہندوستانی مسائل کے حل اور ہندوستان کوآزادی دینے کی پالیسی پر گفتگوکرنے آیا تھا، ہنوستانی لیڈروں کے شملہ میں گفتگو ہوتی رہی، مسئلے سے متعلق مولانامدنی نے جوتجویز پیش کی برطانیہ کے اِن ذمے داروں نے اُسی کو پسند کیا اور اسی کوسامنے رکھ کراپنی رپورٹ پیش کی۔ (سائمن کمیشن) ہندوستان میں دستورسازی کے نام پر برطانیہ نے لارڈ جان سائمن کو بھیجا ۱۹۳۸ء میں مسٹرجان سائمن کی سربراہی میں کمیشن (سائمن کمیشن) پہنچ گیا، مگر ہندوستانیوں نے کمیشن کا بائیکاٹ کیااوراس مقاطعے اور بائیکاٹ میں مولانامدنی نے پورے ملک کادورہ کیا، آپ کا یہی کہنا تھا: ''ملک ہمارا ہے'' عوام ہمارے ہیں برطانیہ قانون بنانے والاکون ہوتا ہے'' (موتی لال نہرورپورٹ) سائمن کمیشن رپورٹ کے مقابلے میں کانگریس نے دستورسازی کے لیے ایک کمیٹی موتی لال نہرو کی سربراہی میں بنائی، اس رپورٹ کی بعض شق ایسی تھی جس سے کانگریس کو، نیشنلسٹ مسلمانوں کواور جمعیۃ کواتفاق نہ تھا، مولانا مدنی کی سربراہی میں جمعیۃ نے کھل کرنہرو رپورٹ کی مخالفت کی، مفتی کفایت اللہؒ نے کھل کراس کے خلاف بیان دیا (شاردا ایکٹ) نابالغ بچوں بچیوں کی شادی روکنے کے لیے ایکٹ پاس کیا گیا۔ ہندوؤں کے لیے یہ ایکٹ مفید ہوسکتا تھا؛ مگراسلامی پرسنل لا کے خلاف تھا، جمعیۃ نے آخرتک اس کی مخالفت کی، یہ چندعنوانات تفصیل کے قابل مطالعہ ہیں۔

اپنے عہد کے عظیم مفکر جناب خلیق نظامی نے صحیح فرمایا:

''محدث، مجاہد، پیر طریقت جو انسانی پیکر اِن تین عظیم الشان حیثیتوں کا جامع ہو اس کی شخصیت کی عظمت و دل آویزی الفاظ کے سہارے بیان نہیں کی جاسکتی۔'' (مقدمہ اسیر مالٹا)

جنگ آزادی میں حضرت مدنی کی قربانی کی تفصیل تو ہم جستہ جستہ پیش کریں گے، اس سے پہلے محترم خلیق صاحب مرحوم کے اسی مقدمے والے مضمون سے ایک اہم اقتباس پیش کررہے ہیں جس سے اس قربانی کے جذبے، ہمت اور اس انقلابی پروگرام میں عملی اشتراک کی جانب روشنی پڑتی ہے۔ (معافی کے ساتھ اقتباس کچھ طویل ہے) فرماتے ہیں:

''پھر جب آزادیِ وطن کے لیے قربانی دینے اور قید و بند کے مصائب برداشت کرنے کا وقت آیا تو ایسے سرفروشانہ انداز میں سرگرم عمل ہوئے کہ شاملی کے جہاد کی صدائے بازگشت دیوبند سے مالٹا تک گونج اُٹھی، وہ ایک کڑی ہے اس عظیم الشان تحریک کی جو بالاکوٹ سے سید احمد شہید کی قیادت میں اٹھی اور شاملی میں نیا پیکر اختیار کر کے یاغستان کے پہاڑوں اور مالٹا کے بیابانوں تک پہنچی، تاریخ میں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی کہ ایک شخص بیک وقت روحانی زندگی اور سیاسی زندگی کے تقاضوں کو اس طرح پورا کر سکے کہ جیسے مولانا مدنی - اس کا راز صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ ان کی ذات میں یہ دونوں زندگیاں ایک ہی مقصد کے تابع تھیں ان کا عقیدہ تھا کہ جس نے ربِّ کائنات سے رشتہ نہیں جوڑا وہ مقصد حیات سے بیگانہ رہا''

یہ مقصد ہی رضائے الٰہی ہے جس کی طرف تمہید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

جدوجہد آزادی میں شرکت کے اسباب:

وہ کون سا جذبہ تھا کیا اسباب تھے جس نے پُرسکون گوشۂ عافیت کو ترک کر کے سمندر کے بپھرے ہوئے طوفان میں کود پڑنے پر مولانا کو مجبور کیا، اس کی وضاحت کے سلسلے میں مولانا فریدالوحیدی صاحب لکھتے ہیں:

''مالٹا سے آنے کے بعد مدینہ طیبہ کا فوری ارادہ تھا اور وہاں سے اعزاء، بھائیوں، تلامذہ اور شاگردوں کا برابر اصرار بھی تھا کہ آپ واپس آجائیں؛ مگر حضرت کے نزدیک اس وقت دین و ملّت قوم و ملک کی خدمت ہندوستان میں زیادہ ضروری تھی۔''

خود حضرت مدنیؒ کا اس بارے میں کیا تاثر تھا۔ فرماتے ہیں: ''جس چیز سے مسلمانوں کو

فائدہ پہنچے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اسی لیے میں نے دور دراز ملک (ہندوستان) میں قیام کرنا پسند کیا ہے؛ حالانکہ میرا دل مدینہ منورہ، آں حضرت ﷺ، شانِ مدینہ اور برادرانِ عزیز کی یاد میں بے چین رہا کرتا ہے۔''

حضرت مولانا کی جنگ آزادی میں شمولیت کے سلسلے میں دو گوشے بطور اسباب ہمارے سامنے آتے ہیں، خارجی اور داخلی اسباب:

خارجی: عالمِ اسلام پر انگریزوں کے بے پناہ مظالم۔

داخلی: اپنے وطن ہندوستان کے ساتھ نازیبا سلوک۔

خارجی کی تفصیل:

اسلامی ممالک کی شان وشوکت سے دنیا کی نظریں خیرہ ہورہی تھیں، اسلامی شعائر واحکام ہرطرف سربلند تھے، یہ ترقی یہ عروج خار کی طرح یورپ کی آنکھ میں کھٹک رہا تھا، عیسائی دنیا نے اپنے روایتی مکروفریب، عہدشکنی اور دھوکے سے عالم اسلام کے قلب میں اپنے پنجے مضبوط کرنے شروع کردیے، بہت جلد اسلامی سلطنتوں خصوصاً ترکی پر اپنی دشمنی، بدعہدی، مکروفریب اور بہانے بازی کے ذریعے قیامت کا منظر پیش کردیا، انسانی ذہن اُن مظالم کا تصور نہیں کرسکتا، جو مغرب کے بھیڑیوں نے مشرق کے مظلوموں کے ساتھ روا رکھے اور اُن کے جسم وجان، مال منال عزت و آبرو کو لوٹا، برباد کیا، غرض کہ اسلام دشمنی اور مسلماوں کے ساتھ نفرت میں ایسے مظالم کیے کہ خود عیسائی دنیا چلا اٹھی۔

انگریزوں کے مظالم کا یہ ایک ایسا طوفان تھا، جس نے پہلے شیخ الہند کے قلب کو پھر مولانا مدنی کے دل ودماغ کو انگریز نفرت سے بھردیا اور ایسی نفرت پیدا کی کہ دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ دشمنی اس قوم سے ہوگئی۔ اپنے ملک میں اُن کا ناپاک وجود کسی طرح گوارا نہ تھا۔

داخلی کی تفصیل:

دوسرا سبب داخلی تھا، یعنی اس کا تعلق اپنے وطن سے تھا اور اس نے بھی آپ کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کررکھی تھی، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک پھر ۱۹۴۷ء تک مادرِ وطن پر سامراج کا بھیانک ظلم وستم، لوٹ کھسوٹ، اور استحصال کا خطرناک سلسلہ جاری تھا۔ مولانا کا ذہن اس بارے میں بہت حساس تھا اور احساس کی یہ شدت اُس ماحول کی دین تھی جو بچپن میں اسکول کے نصاب سے ان کے ذہن نے قبول کیا خود انھیں سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

’’جب کہ میں اسکول میں پڑھتا تھا تو مجھ کو تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی، ہندوستان کی پرانی عظمتوں اور جغرافیائی قدرتی ہمہ گیر برکتوں نے نہایت گہرا اثر کیا اور پھر اہل ہند کی موجودہ بے کسی کا اثر روز افزوں ہوتا رہا، اس زمانے کے ختم ہونے پر مجھ کو آزاد ممالک عرب، مصر، شام وغیرہ کی سیاحت اور قیام کی نوبت آئی، اس نے مجھ کو وطن کی محبت میں اور زیادتی پیدا کردی اور اس احساس کو نہایت قوی کردیا کہ آزادی کس قدر ضروری ہے اور بغیر آزادی کے کسی ملک کے باشندے کس قدر بے بس اور اپنے ملک کی قدرتی فیاضیوں سے محروم ہوتے ہیں۔‘‘ (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد، فریدالوحیدی، ص ۱۶۷)

ہندوستان میں انگریزوں کے منحوس قدم آنے سے پہلے کی برکتوں اور اُن کے آنے، قبضہ اور لوٹ گھسوٹ کے بعد کنگال ہندوستان کا موازنہ کرتے ہوئے حضرت مولانا بڑے بڑے جلسوں میں اعداد وشمار کے ساتھ گھنٹوں ہندوستان کے اقتصادی، معاشی، تجارتی اور صنعتی ترقی، اشیاء کی قیمتوں، بازار کے نرخ وغیرہ کا تفصیلی بیان فرماتے، اس ضمن میں انگریزوں کے لوٹ گھسوٹ کی اور غریب ہندوستان پر ان کے مالی بوجھ رکھنے کی داستان بھی بیان کرتے تھے۔ تفصیل میں جانے سے بات بڑھ جائے گی، اتنا ضرور کہنا ہے کہ حضرت کی اِن تقاریر کے بعد عام ہندوستانیوں کے دل میں انگریزی حکومت کے خلاف شدید غصّہ، نفرت اور غیض وغضب بھر جاتا تھا۔ حضرت اس پر بہت زور دیتے تھے اور ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے میں دلچسپی کے حوالے سے یہ ایک تاریخی صداقت بھی تھی کہ ’’برٹش حکومت نے صرف ہندوستان پر حکومت اور طاقت کے بل پر ساری دنیا پر اپنی دھاک بٹھا رکھی ہے اور قبضہ کررکھا ہے، جس دن ہندوستان سے اس کی حکومت ختم ہوگی ساری دنیا ایشیا، افریقہ عرب ممالک سے اس کا بوریا بستر گول ہوجائے گا‘‘ یہ فیصلہ تاریخ نے ثابت کردیا، دنیا دیکھ رہی ہے آج برطانیہ کتنا سمٹ کر رہ گیا ہے (اس موقعے پر ایک لطیفہ لکھنے کو بار بار جی چاہ رہا ہے، موضوع سے غیر متعلق ہی سہی)

میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سعید الوحیدی اپنے بیٹے فیصل وحیدی سے ملنے لندن گئے، لندن میں ایئرپورٹ پر ایک کاؤنٹر پر انگریز افسر نے اُن کے (کسی ضابطے کے مطابق) دریافت کیا: ’’تم یہاں کتنے دن ٹھہروگے؟‘‘ سعید نے برجستہ جواب دیا، جب آپ ہمارے ملک میں آئے تھے تو ہم نے تو نہیں پوچھا تھا کہ آپ کتنے دن ٹھہریں گے اور آپ ۲۰۰ سال ٹھہر گئے)۔

بہرحال یہ خارجی وداخلی محاذ پر دو ایسے المناک حادثے تھے جس نے عبادت، ریاضت،

تعلیم وتدریس حتی کہ حرم محترم اور اپنے محبوب ﷺ کے روضۂ پاک سے دور رہ کر ہندوستان اور اپنے بھائیوں کی خدمت پر آمادہ کیا، خدا ہی جانتا ہے دیارِ محبوب سے دور رہ کر دلِ سوزاں اور قلب سوختہ جان کی حرارت کا کیا حال رہتا تھا؛ مگر جیسا کہ پیچھے گذرا ''آپ کو ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت بہت محبوب تھی'' اور کیا خبر یہ 'مدینہ والے پیا'' کے اشارے پر فیصلہ کیا گیا ہو۔

میانِ عاشق معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہ ہم خبر نیست

(کبھی حضرت کی زبانِ مبارک سے اسی خادم راقم تحریر نے نہایت بے چینی سے ایک مصرعہ پڑھتے سنا، ممکن ہے ضبط ٹوٹ کر اُسی درد کا اظہار ہو جاتا ہو۔

پیا بنا تپے موری ناری ناری

خیر! یہ تو سخن گسترانہ بات مقطع میں آپڑی۔

بقول خود حضرت مدنیؒ کے ''قومی خدمت خارجی کا گھر نہیں ہے اس میں پاپڑ بیلنے اور ایلوے کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں (ایک مکتوب سے) ایک جوش تھا، ایک جنون تھا، سُود وزیاں سے بے نیاز نکلے تھے اور ہوا بھی یہی۔

جنوں کے جوش میں نکلے جو گھر سے
اِدھر سے ہم چلے پتھر اُدھر سے

راہ میں کتنے طوفان آئے حاسدین ومخالفین نے کیسے کیسے کانٹے بچھائے، قدم قدم پر آپ کو مہلک ترین خطرات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

معاندین ومخالفین کی حرکتیں:

لارڈ منٹو کی گورنری کا دور تھا، ہندوؤں، مسلمانوں میں انگریزوں ہی کی چالبازی سے کچھ خفگی اور ناچاقی پیدا ہوگئی تھی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پالیسی کے مطابق منٹو نے اختلاف کی اس خلیج کو اور بھی وسیع کردیا، انگریز نواز کانگریس اور نیشنلسٹ ہندو مسلمانوں سے ناراض کچھ نادان مسلمانوں کو ملاکر ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کی ایک تنظیم مسلم لیگ کے نام سے قائم کردی گئی، مسلم لیگ کی پالیسی (انگریز موافقت مخالف کے حوالے سے) کانگریس سے الگ تھی، ہمارے حضرت مدنی جو کانگریس پالیسی کے تحت انگریز مخالفت میں پیش پیش تھے، لامحالہ مسلم لیگی جوان طبقہ اُن کے خلاف تھا اور اس اختلاف کو جس بھونڈے، جارحانہ انداز پر اختیار کیا گیا، حضرت کی جان،

عزت آبرو سے کھلواڑ کیا گیا نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی، اس سے انسانیت سوسو بار شرمسار ہوئی۔ اپنوں، پرایوں کی گالی، طنز و تشنیع، سب وشتم، لاٹھی ڈنڈے جوتے چپل حتی کہ تھوک وگندگی حضرت پر پھینکی گئی، داڑھی پکڑ کر ہلائی گئی، یہ تو حضرت کے لیے اپنے وطن اور اپنے ہم قوم نادانوں کی سوغات تھی، ایک دوسری قوم جو نشۂ غرور، طاقت اور حکومت میں غرق تھی جس سے نہ وطنی رشتہ نہ مذہبی وسماجی جوڑ جو بالکل اجنبی اور ہر طرح ظلم وستم پر آمادہ تھے یعنی حکومت کے طبقے کے لوگ اُن کی طرف سے، جیل قید خانہ، ہتھکڑی، بیڑی، پھانسی کا تختہ کالی کوٹھری ملک بدری طرح طرح کی سزائیں منھ کھولے کھڑی تھیں اور بہانے تلاش کر رہی تھیں، حضرت اِن بندر بھبکیوں سے ڈرنے والے کب تھے، ایمان ویقین، عزم وحوصلے کے پہاڑ تھے، ہنستے کھیلتے موج حوادث کو شکست دیتے آگے بڑھتے چلے جارہے تھے، بقول شاعر۔

راستہ روکو نہ میرا ، دُور جانا ہے مجھے
ساتھ ساتھ آتے رہو اور گالیاں دیتے رہو

اُنھیں اپنے اکابر سے عہد کی لاج رکھنی تھی، مظلوم ہندوستان کو ظالم کے شکنجے سے آزاد کرنا تھا۔

آزادی کے معرکے میں سیاسی طریقۂ کار

انگریزوں سے مقابلے میں تشدد اور مقابلہ بالسیف (سلطان ٹیپو، سراج الدولہ اور ۱۷۵۷ء سے ۱۸۵۷ء پھر اُس کے بعد قریبی زمانے میں معرکۂ شاملی، نیز حضرت شیخ الہند اور آپ کے برسوں بعد سبھاش چندر بوس) سب کا تجربہ ناکام ثابت ہو چکا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہند نے ایک ہوشیار تجربے کار جرنیل کی طرح میدان جنگ کا نقشہ اور جنگ کی ٹیکنک بدل دی، اب آپ نے ملک میں سرگرم سیاسی پروگرام عدم تشدد، خلافت اور کانگریس کی پالیسی کو اپنالیا، چنانچہ ہندو مسلم اتحاد، ترکِ موالات، بائیکاٹ، عدم تعاون فوج میں شرکت سے ہندوستانیوں کو روکنا، مغربی مصنوعات کی جگہ دیسی مصنوعات کا استعمال یہ موٹے موٹے عنوانات اور افعال تھے جو ہندوستان کے سیاسی ماحول میں شدّت سے رائج تھے اور حضرت مدنیؒ نے اسے اپنالیا اور پھر پورے اذعان ویقین کے ساتھ استحکام ومضبوطی سے اس پر قائم رہے۔ یوں تو حضرت مدنی کی خدمات آپ کی شخصیت آپ کی خصوصیت کے مختلف پہلو ہیں، ہر پہلو پر تصنیف کی کئی کئی جلدوں میں گفتگو ہوسکتی ہے، حدیث وقرآن کے عالم اس کے معانی ومطالب کے رمز آشنا، از ہر ہند دارالعلوم کے شیخ الحدیث، روحانیت میں پیر طریقت اور رئیس الاولیا، ریشمی رومال

تحریک کے اہم سپاہی، مہمان نوازی، اخلاق، اخلاص تحریک خلافت کے داعی اعظم، ہندو مسلم اتحاد کے مضبوط حامی و داعی وغیرہ وغیرہ سیکڑوں ابواب ہیں، ہم ان میں سے چند اہم کی طرف اشارہ کرکے خدمات عالی میں نذرِعقیدت پیش کرسکتے ہیں۔

فوج کی مخالفت اور مقدمۂ کراچی:

۱۹۲۰ء میں مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہند کے انقلابی فیصلے (عدم تشدد) کے بعد حضرت مدنیؒ کا پورے ملک میں، اسی فیصلہ شدہ اسکیم کے تحت، دورہ شروع ہوگیا، ایسے ہی ایک کانفرنس میں تقریر ہوئی، آپ حکومت برطانیہ پر کھل کر برسے اور دشمن کو للکارا، آپ نے اعلان کیا ''حکومت برطانیہ کی فوج میں شامل ہونا حرام ہے'' لوگوں کو سمجھایا برطانیہ کی ناپاک پالیسی ہندوستانی فوجوں سے مسلمانوں کو قتل کروانے والی ہے، ان کا گھر مال و دولت لوٹاتی ہے، ان کو بے عزت و بے آبرو کرواتی ہے، اگر کوئی فوجی اس چیز کو حلال سمجھے گا تو وہ کافر ہوجائے گا، شرعی حیثیت سے کسی قسم کی مدد حکومت برطانیہ کی کرنا حرام ہے، ہر قسم کا موالات اور تعاون حرام ہے، مسلمانوں پر ترکِ موالات فرض ہے۔ یہ تقریر کیا تھی حکومت کو ایک چیلنج تھا، ایک دھمکی بلکہ حکومت کے خلاف ایک دھماکہ تھا؛ چنانچہ آپ کے نام وارنٹ جاری ہوگیا، قید ہوئے اور کراچی میں مقدمہ چلا، خالق دنیا ہال کراچی کی خصوصی عدالت میں سماعت ہوئی، عدالت کیا تھی وہ بھی سُن لیجیے: انگریز جج جن کی حکومت کو حضرت نے للکارا تھا، ہر قسم کی سنگین سے سنگین سزا دینے کے موڈ میں۔ پورے ہال میں کھلی ہوئی سنگینیں تانے ہوئے انگریز فوجی اور سپاہی، ہر آنکھ انتقام، غصّے اور حقارت سے سرخ۔ اور کٹہرے میں ایک ایسا ملزم جس کی، اُن کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی، جو ان کی حکومت کے لیے سخت خطرہ تھا، ایسے خوفناک پُر ہول ماحول میں بدن ہی نہیں روح میں لرزہ طاری ہوجائے، ایک شیر دہاڑ رہا تھا۔

پہلے تو مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں انگریزوں کی فوج میں ہندوستانیوں کی شرکت کو حرام قرار دیا، آزادی اور اس کے حصول کی ہر قسم کی جدوجہد کو ہر ہندوستانی کا حق ثابت کیا، بیان تو اِسی انداز پر گھنٹوں چلتا رہا، مجمع تھا کہ خوف وحیرت میں گم سُم سوچ رہا تھا، مولانا کو پھانسی گولی سے کم سزا نہ ملے گی؛ مگر جہاں ''موت وحیات صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر ایمان ہی نہیں یقین ہو، جہاں ظالم وجابر حاکم کے منہ پر حق بات کہنی ایک سچے مومن کا فرض سمجھا جاتا ہو وہ ایسی سزا کو بھی کب خاطر میں لاتا، اس بیان کا آخری جملہ غور سے سننے کے اور دل پر رکھنے کے

لائق ہے، جس سے آسمان ہل گیا، زمین لرز گئی، سننے والوں کا کلیجہ منھ کو آ گیا، یہی وہ تاریخی جملہ تھا کہ جیسے ہی ایک بہادر نڈر حق گو کے ہونٹوں سے نکلا، مولانا محمد علی جوہر آگے بڑھ کر پیروں پر گر پڑے، آپ نے بیان ختم کرتے کرتے فرمایا:

''اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے پر تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں گے اور حسین احمد پہلا شخص ہوگا جو اپنی جان قربان کردے گا۔''

بہرحال مقدمے کا فیصلہ ہوا، تمام کوششوں کے باوجود بغاوت ثابت نہ ہوسکی، گویا موت آپ کو چھوکر نکل گئی، ابھی اللہ کو اپنے اس نیک بندے سے اپنی مخلوق کی اور خدمت لینی تھی، فیصلہ دوسال قید بامشقت پر آکر ختم ہوگیا۔

اس سیاسی جدوجہد کا ایک اور موثر طریقہ:

حضرت مدنی ہندو مسلمانوں کے درمیان فکری، سیاسی اور عملی اشتراک کو ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لیے نہایت ضروری اور اہم خیال فرماتے تھے۔ آپ کا سیاسی عقیدہ تھا کہ اگر ہندوستانی اقوام کے درمیان اتحاد نہیں ہوتا تو ایشیا بالخصوص ہندوستان آزادی کی برکت سے محروم رہے گا، سامراج کا پنجہ یہاں جما رہے گا؛ چنانچہ ملک بھر میں دورہ کرکے تقریروں میں متحدہ قومیت پر پورا زور دیتے تھے۔ حدیث وقرآن اور سیاسی تجربے کی بنیاد پر اس کے حق میں دلائل کا انبار لگادیتے تھے، یہ امرِ واقعہ بھی ہے کہ انگریز اگر اپنی حکومت کے استحکام وبقا کے لیے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل کو ضروری سمجھتا تھا، تو اس زہر کے توڑ کے لیے، متحدہ قومیت، سے بہتر کوئی تریاق نہیں تھا اور اسی سے اس ظالم حکومت کی کمر ٹوٹ سکتی تھی اس کے مقابلے میں Two Nation the ory (دوقومی نظریہ) اور جداگانہ انتخاب کی پالیسی ملک کی آزادی کی راہ میں سخت رکاوٹ تھی۔

جمعیۃ علماء ہند:

''جو جمعیۃ کی کسی حیثیت سے خدمت کرے گا انشاء اللہ خدا کے یہاں اجر کا مستحق ہوگا''
(حضرت مدنی کے ایک مکتوب سے)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی تمام سرگرمیوں، عملی سیاست، اصلاح وتبلیغ کا مرکزی اسٹیج مسلمانوں کی تاریخی جماعت، جمعیۃ علماء ہند تھی، اس جماعت کی سرپرستی قیادت بہ طور صدر حضرت ہی انجام دیتے رہے، جمعیۃ علماء اپنے زمانے میں ملک کے بعض اہم معاملات میں صحیح فیصلہ لینے میں

کانگریس کو اور دوسری تنظیموں کو پیچھے چھوڑ چکی تھی؛ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کانگریس اور دوسری جماعتیں حکومت برطانیہ سے محض رعایتیں مانگ رہی تھیں، گفت وشنید اور اصلاحات کی طلب گار تھیں، بوریہ نشین علماء کی اس جماعت نے جس کے رہبر، قائد اور پالیسی میکر صدر حضرت شیخ الاسلامؒ تھے، آگے بڑھ کر بانگ دُہل ''آزادئ کامل'' کا مطالبہ کیا، یاد رہے جمعیۃ نے ۱۹۲۶ء میں یہ انقلابی اعلان کردیا تھا؛ جبکہ کانگریس نے ۱۹۲۹ء میں یہ تجویز پاس کی، جمعیۃ کو یہ تقدم بھی حاصل ہے کہ اس کے ایک فرزند ملک کے شعلہ جوالہ انقلابی لیڈر مولانا حسرت موہانی نے ۱۹۲۱ء ہی میں احمد آباد کانفرنس میں قصر برطانیہ میں یہ صور پھونک دیا تھا، واضح رہے کہ جناب حسرت موہانی جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کے ممبر اور جمعیۃ کے رہبر اعظم حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے وفادار تلمیذ وسپاہی مولانا عبیداللہ سندھی کی ہندوستان سے باہر حکومت موقتہ کے ہندوستانی ممبر تھے، اس طرح اس انقلابی اعلان کی اس اوّلیت کا اعزاز بھی جمعیۃ ہی کو حاصل ہے۔

حضرت مدنیؒ کے سیاسی فیصلوں اور رجحان کے مطابق ہمیشہ جمعیۃ متحدہ قومیت کی شدّت سے حامی رہی۔

اور اب شام ہوگئی:

آزادی کے بعد کے حالات اور عمر بھر کی تگ ودو کا یہ نتیجہ دیکھ کر ملک میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، اپنی قوم مایوسی اور قنوطیت کا شکار تھی اُسے آزاد ملک میں جینے کا حق بھی نہ مل سکا، بقول فیض احمد فیض مرحوم ؎

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

ان حالات نے ہمارے حضرت کو مغموم ودل شکستہ کردیا تھا، یہ داستان بہت طویل ہوجائے گی کلیجہ خون بن کر آنسو کی جگہ آنکھوں سے بہنے لگے گا، بہتر ہے حضرت ہی کے ایک مختصر، دل سوز بیان سے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھادیا جائے۔ فرمایا:

''ہماری اسکیم فیل ہوگئی، ہماری کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی؛ اگر مسلمان ہماری بات مان لیتے تو یہ تبادلۂ آبادی نہ ہوتا اور یہ خون کی ندیاں نہ بہتیں۔'' (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، فرید الوحیدی)

۱۹۵۷-۳/ بجے دوپہر، ساری زندگی کا تھکا ہوا مسافر عاشق رسول ﷺ، مقبول بارگاہِ رب صمد، بندگانِ خدا کا خیر خواہ اور ہمدرد، شیخ طریقت، شیخ الحدیث والتفسیر اسیر مالٹا وکراچی اپنے مولانا

کے حضور حاضر ہوگیا۔ فرشتوں نے یَا اَیَّتُھَا النفسُ المُطمئنّۃ اِرجِعی اِلیٰ ربِك رَاضِیَۃً مَّرضِیَّۃ کہہ کر استقبال کیا۔ رحمۃ اللّٰہ علیہ.

آخری بات:

ہمارے حضرت صبر کا پہاڑ تھے، بڑے بڑے مصائب ومشکلات آزمائش وامتحان آئے، کبھی زبان سے ایک حرفِ شکایت نہ نکلا، دوسری بات یہ کہ آپ نے جو کچھ کیا دنیوی نفع، سود وزیاں، کسی منفعت ولالچ، کسی عہدے، منقبت وتعریف کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ ۴۰ برس وقار وعزیمت کے ساتھ حضرتؒ نے ہر قسم کی عداوتیں، رقابتیں، طنز وتشنیع، سب وشتم، مختلف قسم کی ناروا حرکات برداشت کیں، اس کوہ گراں نے کبھی اپنے ساتھ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیا، کسی مخالفت، عداوت، جلسوں میں ہلڑ بازی، پتھر بازی پر کبھی کوئی شکوہ، ناراضگی، خفگی کا اظہار نہیں فرمایا:

آزادی کے بعد ہماشما، جس نے کبھی اس جنگ میں شرکت بھی نہیں کی، برطانیہ کی جی حضوری کرتا رہا یا جو انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہوگیا، سب نے خوب خوب قیمتیں وصول کیں؛ مگر حضرت مدنیؒ کا دامن کسی آلودگی سے ملوث نہ ہوا اور جب ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز ''پدم بھوشن'' کا تمغہ دیا گیا تو شکریے کے ساتھ واپس کردیا، بقول مولانا ارشد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند: ''ساری زندگی قربانی دی جب مُراد پوری ہوئی مقصد حاصل ہوگیا، انعام ملنے کا وقت آیا تو منھ پھیر لیا، کروٹ لے کر لیٹ گئے''۔ (تقریر بمبئی جلسہ زیر صدارت جناب ابوعاصم اعظمی)

❁ ❁ ❁